OPEN ACCESS
ABHATH
(Research Journal of Islamic Studies)
Published by: *Department of Islamic Studies, Lahore Garrison University, Lahore.*

ISSN (Print) : 2519-7932
ISSN (Online) : 2521-067X
October–December -2023
Vol: 8, Issue:32
Email:abhaath@lgu.edu.pk
OJS:https://ojs.lgu.edu.pk/index.php/abhath/index

مصالحِ عباد کے ضمن میں مفتی امجد علی اعظمی کا منہج واسلوب

The Methodology and Stylistics of Mufti Amjad ‘Alī A‘ẓamī in concession of Maṣāliḥ ‘Ibād

Mubashar Ahmed
Lecturer, Government Associate College, Pindi Bhattian, Hafizabad:mubashar.ahmad63@gmail.com
Muhammad Abid Nadeem
Associate Professor, Department of Arabic and Islamic Studies, Government College University, Lahore: muhammadabid36@hotmail.com

Abstract:
The study of philosophy of law is called jurisprudence. The evolution of jurisprudence manifests the interests of society, culture and religion. All jurisprudential systems of the world fit to this assertion and possess different characteristics. If one system is based on collective interests of society, the other depicts the individuality in its essence. Some jurisprudential systems aim at worldly pleasure and luxuries while the others just focus on the Hereafter. In contrast, Islam is a balanced religion that focuses on the benefits of both individuals and society and the benefits of the world and the Hereafter. Every commandment of Allah Almighty is based on Maṣlaḥah either expressed or implied. Islamic jurists have maintained the same spirit in the derivation of aḥkām. This paper aims to explore the work of Mufti Amjad ‘Alī A‘ẓamī in order to highlight the salient features of his work in accordance with Maṣāliḥ ‘Ibād. It also throws light on his efforts to maintain the pace of Islamic jurisprudence with the contemporary world.
Keywords: Jurisprudence, Subcontinent, Maṣāliḥ, Flexibility, Mobility

کسی بھی مہذب معاشرے کی تشکیل میں اس معاشرے کے ''مجموعہ قوانین'' کو خاص اہمیت حاصل ہوتی ہے۔اپنی اصل کے اعتبار سے نظام ہائے قوانین کو دو طرح سے تقسیم کیا گیا ہے،پہلا وہ نظام جس کی بنا کسی فرد یا افراد

کے مجموعے نے رکھی ہو، اسے دنیاوی قوانین سے تعبیر کیا جاتا ہے، دوسرا نظام وہ ہے جس کی بنیاد الہامی تعلیمات پر رکھی گئی ہے، اسے الہامی قوانین کا نام دیا جاتا ہے۔ دنیاوی قوانین اپنے ماخذ کے اعتبار سے ناقص ہیں کہ ان کی بنا عقل انسانی پر کی جاتی ہے اس کے برعکس الہامی قوانین مکمل و کامل ہیں کہ ان قوانین کا دینے والا اس کائنات کا مالک ہے، بندوں کے احوال سے واقف اور تمام علم کو محیط ہے۔

خدائے لم یزل نے جو قوانین اپنے مکلف بندوں کو دیے ہیں وہ سراسر حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی ہیں۔ قرآن پاک جو کہ فقہ اسلامی کی اول بنیاد ہے، اس میں جابجا احکام کے مقاصد کا ذکر ملتا ہے۔ مثال کے طور پر تخلیقِ انس و جن کا مقصد بندگی ہے جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ[1]

"اور میں نے جن اور آدمی اسی لیے بنائے کہ میری بندگی کریں"

فرضیت صوم کا مقصد حصولِ تقویٰ ہے۔ فرمان ذیشان ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ[2]

"اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے جیسے اگلوں پر فرض ہوئے تھے کہ تمھیں پرہیزگاری ملے"

تمام افعال خیر ادا کرنے کا مقصد حصولِ فلاح ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ[3]

"اے ایمان والو! تم رکوع کرتے رہو اور سجود کرتے رہو، اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہو اور (دیگر) نیک کام کئے جاؤ تاکہ تم فلاح پا سکو"

یہاں تک کہ حصولِ تقویٰ بھی مقصد کے تحت ہے اور اس کا مقصد وصولِ رحمت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ[4] "اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے"

---

[1] الذاریات:5651

Al Qurʿān, 51:56

[2] البقرۃ 2: 183

Al Qurʿān, 2:183

[3] الحج22:77

Al Qurʿān, 22:77

مذکورہ بالا آیات اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ خداوند تعالی کے ہر حکم کے پیچھے کوئی مصلحت یا مقصد کارفرما ہے۔ان مقاصد و مصالح کو حکم کے ساتھ ہی بیان کر دیا جاتا ہے جیسا کہ مذکورہ بالا آیات میں بیان کیا گیا ہے یا پھر اصحاب علم وفراست ان احکامات میں پوشیدہ مصالح کو طشت از بام کرنے کی سعی کرتے ہیں۔

شریعت اسلامی کے مقاصد

شریعت اسلامی کے مقاصد کے بارے میں تفصیلی بحث امام محمد الغزالی کی کتاب" المستصفى من علم الأصول" میں موجود ہے۔بعد میں امام شاطبیؒ نے" الموافقات" میں ان مقاصد کو مزید مفصل انداز میں بیان کیا ہے۔امام ابن قیم شریعت اسلامی کے انہی مصالح کے بارے میں رقمطراز ہیں:

فَإِنَّ الشَّرِيعَةَ مَبْنَاهَا وَأَسَاسُهَا عَلَى الْحِكَمِ وَمَصَالِحِ الْعِبَادِ فِي الْمَعَاشِ وَالْمَعَادِ، وَهِيَ عَدْلٌ كُلُّهَا، وَرَحْمَةٌ كُلُّهَا[5]

"شریعت کی اساس اور بنیاد حکمتوں اور بندے کی دنیاوی اور اخروی مصلحتوں پر رکھی گئی ہے؛ چنانچہ شریعت اسلامی ساری کی ساری عدل ورحمت ہے اور حکمتوں و مصالح سے بھری ہوئی ہے

شریعت اسلامی کے احکام کے مصلحتوں سے لبریز ہونے کے بارے میں شاہ ولی اللہ اپنی شہرہ آفاق تصنیف"حجة البالغه"میں رقمطراز ہیں:

"بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ شریعت کے احکام میں کوئی مصلحت نہیں ہوا کرتی اور اعمال اور ان کی جزائیں جو منجانب اللہ مقرر ہے کوئی مناسبت نہیں۔۔۔۔یہ گمان بالکل فاسد ہے۔حدیث اور ان زمانوں کے اجماع جن کی خوبی اور برکت پر خود شرع نے شہادت دی ہے،اس خیال کی تکذیب کرتے ہیں۔"[6]

---

4 الحجرات49: 10

Al Qurʿān, 49:10

5 ابن قيم، محمد بن أبي بكر، إعلام الموقعين عن رب العالمين، (بيروت: دار الكتب العلمية، **1411ھ**)ج 3، ص 11

Ibn Qayyim, Muḥammad ibn Abī Bakr, Iʿlām al-Muwaqqiʿīn ʿan Rabb al-ʿĀlamīn, (Beirut, Dār al-Kutub al-ʿIlmīyah, 1441AH) 3:11

6 شاہ ولی اللہ،حجة الله البالغه،مترجم، خلیل احمد،مولانا،(لاہور: کتب خانہ شان اسلام، س ن)ص 5

Shāh Walī Allāh, Ḥujjatullāh al-Bāligha, Mutarjam, Khalīl Aḥmad, Maulānā, (Lahore, Kutub Khāna Shān-e-Islām) p5

مصلحت کا معنیٰ و مفہوم

مصلحت کا لفظ صلاح سے ماخوذ ہے جس کی بنا ص۔ل۔ح پر رکھی گئی ہے۔ابن فارس کے نزدیک اس کی اصل ایک ہی ہے کہ یہ فساد کی ضد ہے[7] (الصَّادُ وَاللَّامُ وَالْحَاءُ أَصْلٌ وَاحِدٌ يَدُلُّ عَلَى خِلَافِ الْفَسَادِ) معتبر کتب لغت کا مطالعہ یہ واضح کرتا ہے کہ ابتدائی کتب میں مصلحت کے صرف لغوی معنیٰ پر ہی اکتفا کیا گیا ہے اور وہ معنیٰ اس قدر واضح ہے کہ کسی بھی لغت کی کتاب میں اس کی تفسیر و وضاحت کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی مثلاً ابن منظور نے ''لسان العرب'' میں کہا (المَصْلَحة: الصَّلاحُ. والمَصلَحة وَاحِدَةُ الْمَصَالِح)[8] مرتضی زبیدی نے ''تاج العروس'' میں نقل کیا ہے ((الْمصلحَة) فِي كَذَا، (وَاحِدَة الْمصَالح) ، أَي الصّلاح)[9] اسی طرح صاحب قاموس المحیط نے فقط اتنا کہنے پر اکتفا کیا ہے کہ (المَصْلَحَةُ: واحِدَةُ المَصالِحِ) [10] موسوعہ فقہیہ الکویتیہ میں بھی قریب قریب یہی مفہوم بیان کیا گیا ہے کہ (الْمَصْلَحَةُ لُغَةً كَالْمَنْفَعَةِ وَزْنًا وَمَعْنًى، فَهِيَ مَصْدَرٌ بِمَعْنَى الصَّلاَحِ، أَوْ هِيَ اسْمٌ لِلْوَاحِدِ مِنَ الْمَصَالِحِ)[11] یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ بعض اوقات

---

[7] ابن فارس، أحمد، أبو الحسين، معجم مقاييس اللغة(بيروت:دار الفكر،1399ھ) ج3،ص303

Ibn Fāris, Aḥmad, Abū al-Ḥusayn, Maʿjam Mqāyīs al-Lughah, (Bayrūt, Dār al-Fikr,1399AH) 3:303

[8] ابن منظور، محمد بن مكرم بن على، لسان العرب(بيروت:دار صادر،1414ھ) ج2،ص517

Ibn Manẓūr, Muḥammad ibn Mukrām ibn ʿAlī, Lisān al-ʿArab, (Bayrūt, Dār Ṣādir,1414AH) 2:517

[9] مرتضى الزبيدي، محمد بن محمد بن محمد، تاج العروس من جواهر القاموس(بيروت:دار الفكر س ن)ج6،ص549

Murtadā al-Zubaydī, Muḥammad ibn Muḥammad ibn Muḥammad, Tāj al-ʿArūs min Jawāhir al-Qāmūs, (Bayrūt, Dār al-Fikr) 6:549

[10] الفيروزآبادى، محمد بن يعقوب، القاموس المحيط، (بيروت:مؤسسة الرسالة،1426ھ)ج1،ص229

Al-Fīrūzābādī, Muḥammad ibn Yaʿqūb, Al-Qāmūs al-Muḥīṭ, (Bayrūt, Mu'assasa al-Risālah,1426AH) 1:229

[11] الموسوعة الفقهية الكويتية، (الكويت:وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية،1404 - 1427ھ)ج8،ص 25

Al-Mawsūʿah al-Fiqhīyah al-Kuwaytīyah, (Al-Kuwayt, Wizārat al-Awqāf wal-Shuʾūn al-Islāmīyah,1404-1427AH) 8:25

الْمَصْلَحَةُ کا لفظ اس فعل پر بھی بولا جاتا ہے جس میں صلاح کا مفہوم پایا جاتا ہو اور یہ اسم مسبب کا اطلاق سبب پر کرنے کے قبیل سے ہے۔

علمائے صرف و نحو نے بھی اس بات کو برقرار رکھا ہے کہ مصلحت یہ مفعلہ کے وزن پر ہے اور وہ اس میں مزید یہ اضافہ کرتے ہیں کہ مفعلہ کا صیغہ ہر اس جگہ استعمال ہوتا ہے جہاں اس سے مشتق کی گئی چیز میں اس کے مادے کی کثرت موجود ہو لہذا ان کے نزدیک مصلحہ میں صلاح کی کثرت کا پایا جانا ضروری ہے۔[12]

مصلحت کا اصطلاحی مفہوم

علمائے اصول فقہ نے مصلحت کی اصطلاحی تعریف میں متعدد اقوال نقل کیے ہیں، ان اقوال میں سب سے قدیم اور زیادہ نقل کیا جانے والا قول امام محمد الغزالی کا ہے جو کہ مابعد اصولیین نے تواتر کے ساتھ اپنی کتب میں نقل کیا ہے اگرچہ بعض نے اس قول کی مزید توضیح و تنقیح بھی کی ہے۔ امام محمد غزالی اپنی کتاب " المستصفی "میں مصلحت کو قوت کے اعتبار سے تین اقسام (ضرورات، حاجات، تحسینیات) میں منقسم کرنے کے بعد مصلحت کی تعریف اس طرح کرتے ہیں کہ

أَمَّا الْمَصْلَحَةُ فَهِيَ عِبَارَةٌ فِي الْأَصْلِ عَنْ جَلْبِ مَنْفَعَةٍ أَوْ دَفْعِ مَضَرَّةٍ۔۔۔۔وَمَقْصُودُ الشَّرْعِ مِنْ الْخَلْقِ خَمْسَةٌ: وَهُوَ أَنْ يَحْفَظَ عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ وَنَفْسَهُمْ وَعَقْلَهُمْ وَنَسْلَهُمْ وَمَالَهُمْ[13]

"مصلحت اصل میں منفعت کے حصول اور نقصان کو دور کرنے سے عبارت ہے۔۔۔۔ اور شرع کو مخلوق کے پانچ مقاصد کی حفاظت مقصود ہے اور وہ مقاصد تحفظ دین، تحفظ نفس، تحفظ عقل، تحفظ نسل اور تحفظ مال ہیں "

امام شاطبیؒ اپنی کتاب میں مقاصد شریعہ کی بحث کے بعد مصلحت کے بارے میں لکھتے ہیں:

أن مصالح الدين مَبْنِيَّةٌ عَلَى الْمُحَافَظَةِ عَلَى الْأُمُورِ الْخَمْسَةِ الْمَذْكُورَةِ فِيمَا تَقَدَّم[14]

---

[12] مصطفى زيد، الدكتور، المصلحة فى التشريع الاسلامى، (مصر: دار اليسر للطباعة والنشر، 1373ھ)ص17
Muṣṭafā Zayd, Al-Duktur, Al-Maṣlaḥah fī al-Tashrīʿ al-Islāmī, (Miṣr, Dār al-Yusr lil-Ṭibāʿah wal-Nashr,1373AH) p17

[13] الغزالي، محمد بن محمد، المستصفى، (بيروت: دار الكتب العلمية،1413ھ) ص174
Al-Ghazālī, Muḥammad ibn Muḥammad, Al-Mustasfā, (Bayrūt, Dār al-Kutub al-ʿIlmīyah,1413AH) p174

[14] الشاطبي، إبراهيم بن موسى، الموافقات،(القاهرة: دار ابن عفان، 1417ھ)ج2، ص32

"بے شک مصالحِ دین ان امور خمسہ کی حفاظت پر مبنی ہیں جن کا ذکر پہلے ہو چکا"

اصول فقہ کی کتب میں مصلحت و مصالح کے ضمن میں کی گئی ابحاث کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ شرع میں مصلحت کا جو مفہوم ہے وہ صرف دنیاوی و مادی مصالح تک محدود نہیں بلکہ یہ اخروی مصالح کو بھی محیط ہے۔اس کے ساتھ ساتھ یہ ہر اس مصلحت کو محیط ہے جس کی معرفت میں عقل شریعت کی تابع ہے اور جس کا تعلق مکلف کے جسم، عقل، فکر، مال واخلاق سے انفرادی یا اجتماعی طور پر ہے۔

برصغیر اور علم فقہ

خطہ برصغیر ابتدائی صدی ہجری سے ہی اسلام کے پیغام سے آشنا ہو گیا تھا۔ برصغیر میں ابتداءً علم حدیث پر زیادہ توجہ دی گئی لیکن جلد ہی علم فقہ باقی علوم کی نسبت زیادہ ممتاز ہو گیا۔اس کا سبب یہ تھا کہ فقہ حنفی کو سرکاری سرپرستی حاصل رہی اور سلاطین اپنے روز مرہ کے معاملات میں ان علماء سے رہنمائی حاصل کیا کرتے تھے۔ مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد جب برصغیر میں سامراجی نظام قائم ہوا تو اسلامی علوم وفنون کے گراں قدر اثاثے کے ضائع ہونے کا خدشہ پیدا ہو گیا، ان حالات کے تناظر میں برصغیر کی مختلف علمی شخصیات نے اس ورثے کی حفاظت کا عزم کیا۔ ان شخصیات میں ایک عظیم نام "مولانا امجد علی اعظمی" ہیں جو کہ برصغیر میں "صدر الشریعہ" کے لقب سے جانے جاتے ہیں۔

مولانا امجد علی اعظمی: حیات وخدمات

مولانا امجد علی اعظمی مشرقی یوپی(انڈیا) کے قصبے گھوسی میں ۱۳۰۰ھ/ ۱۸۸۲ء میں پیدا ہوئے اور آپ نے ۱۳۶۷ھ/ستمبر ۱۹۴۸ء کو وفات پائی۔ والد ماجد کا نام حکیم جمال الدین اور جد امجد کا نام مولانا خدا بخش تھا۔آپ کا گھرانہ علوم وفنون اسلامیہ کا دلدادہ تھا، والد ماجد اور جد امجد کو علم طب میں مہارت حاصل تھی۔ طبّی مہارت اور ریاست عظمت گڑھ کا درباری طبیب ہونے کی وجہ سے آپ کے والد ماجد کا ہر طرف شہرہ تھا۔[15] آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے دادا سے گھر میں ہی حاصل کی، اس کے بعد آپ حصول علم کے لیے متعدد علماء و شیوخ کے پاس حاضر ہوئے جن

Al-Shāṭibī, Ibrāhīm ibn Mūsá, Al-Mawāfīqāt, (Al-Qāhirah, Dār Ibn ʿAffān,1417AH) 2:32

[15] محمد عطاء الرحمن قادری، سیرت صدر شریعہ، (لاہور، مکتبہ اعلی حضرت، 1423ھ) ص ۳۲

Muḥammad ʿAṭā' al-Raḥmān Qādrī, Sīrat Ṣadr Sharīʿah, (Lahore, Maktaba Aʿlā Ḥaẓrat,1423AH) p32

میں سے مشہور نام مولانا ہدایت اللہ خان رامپوری، مولانا وصی احمد محدث سورتی، مولانا احمد رضا خان اور شیخ طبیب عبد الولی لکھنوی ہیں۔[16]

آبائی پیشہ طبابت ہونے کی وجہ سے آپ نے ابتدا میں حصول معاش کے لیے طبابت بھی کی۔آپ زمانہ طالبعلمی سے ہی تدریس کے دلدادہ تھے یہاں تک کی زمانہ تعلیم میں ہی آپ نچلے درجوں کو پڑھایا کرتے تھے۔آپ نے تدریس کا باقاعدہ آغاز مدرسہ منظر اسلام بریلی سے کیا۔ بریلی میں قیام کے دوران ہی مطبع اہلسنت کا انتظام وانصرام اور جماعت رضائے مصطفے کے شعبہ علمیہ کی صدارت بھی آپ ہی کے سپرد کی گئی۔[17]

تصانیف

درس وتدریس کے ساتھ ساتھ آپ نے تصنیف وتالیف کی جانب بھی توجہ دی اور سات گراں قدر تصانیف کا تحفہ قوم کو پیش کیا،ان کتب کا اجمالی تعارف ذیل میں ہے۔[18]

بہار شریعت: سترہ حصوں پر مشتمل اس کتاب کو فقہ حنفی کا انسائیکلو پیڈیا کہنا بے جا نہ ہو گا۔ مصنف نے انسان کی پیدائش سے لے کر موت تک کے تمام شرعی مسائل کو اس کتاب میں سمونے کی کوشش کی ہے۔آپ کی وفات کے بعد،آپ کی وصیت کے مطابق اس میں مزید تین حصوں کا اضافہ کیا گیا ہے۔

فتاویٰ امجدیہ: چار جلدوں پر مشتمل یہ کتاب مولانا امجد علی اعظمی کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے۔اکثر فتاویٰ اردو زبان میں ہیں جبکہ بعض فتاویٰ عربی اور فارسی میں بھی ہیں۔

حاشیہ طحاوی: طحاوی دراصل امام ابو جعفر طحاوی کی معرکۃ الآراء تصنیف شرح معانی الآثار کا دوسرا نام ہے۔آپ کا اس

---

[16] فرقان احمد القادری، صدر الشریعه مولانا الشیخ امجد علی الاعظمی، (ضیائی دار الاشاعت، کراتشی، باکستان،1435ھ) 17-14

Furqan Aḥmad al-Qādrī, Ṣadr al-Sharīʿah Mawlānā al-Shaykh Amjad ʿAlī al-Aẓamī, Ziyāʾī, (Dār al-Ishāʿat, Karachi, Pakistan,1435AH) pp14-17

[17] حضور صدر الشریعہ کی حیات وخدمات، مرتبہ: فیضان المصطفی قادری،(دائرۃ المعارف الامجدیہ، گھوسی، مئو،انڈیا،1418ھ)ص58

Ḥaḍrat Ṣadr al-Sharīʿah Kī Ḥayāt o Khidmāt, Marṭbah: Faizān al-Muṣṭafā Qādrī, (Dāʾirah al-Maʿārif al-Amjadiyah, Ghosi, Mao, India,1418AH) p58

[18] محمد عطاء الرحمن قادری، سیرت صدر شریعہ، ص109

Muḥammad ʿAṭāʾ al-Raḥmān Qādrī, Sīrat Ṣadr Sharīʿah, p109

کتاب پر حاشیہ آپ کی حدیث دانی کا بین ثبوت ہے۔آپ ہجوم حوادث کی وجہ سے اسے مکمل نہ کر سکے اور اپنے تلامذہ کو وصیت کر گئے کہ کوئی صاحب اس کو مکمل کر دے۔

التحقیقات الکامل فی حکم قنوت النوازل: یہ رسالہ قنوت نازلہ کے بارے میں ایک استفتاء کا تفصیلی جواب ہے۔

قامع الواہیات من جامع الجزئیات: یہ آپ کا پچپن صفحات پر مشتمل ایک رسالہ ہے جو کہ مولانا عبد الباری لکھنوئی کے ایک عربی کتابچہ کے جواب میں لکھا گیا۔

اتمام حجت تامہ: یہ کتابچہ ستر سوالات پر مشتمل ہے جو کہ آپ کی دینیات کے ساتھ ساتھ سیاسیات پر مہارت کا بین ثبوت ہے۔

اسلامی قاعدہ: غیر جاندار تصویروں پر مشتمل یہ قاعدہ آپ نے بچوں کے لیے مرتب کیا تھا۔

ہندوستان میں آپ کی علمی و فنی مہارت اور دینی علوم میں ملکہ کی شہرت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ جب علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا قیام ہوا تو اس میں شعبہ دینیات کے نام سے ایک شعبہ کی منظوری عمل میں آئی۔ اس شعبہ کے نصاب کی تشکیل کے لیے فروری ۱۹۲۶ میں ملک بھر کی علوم آگاہ شخصیات کو اجتماع ہوا، جن ارکان نے اس نصاب کی تشکیل کی آپ بھی اس مجلس کے رکن تھے۔[19]

مصالح عباد کے ضمن میں مفتی امجد علی اعظمی کا منہج واسلوب

مفتی امجد علی اعظمی کی تبحر علمی اور فقہ حنفی میں مہارت کا اندازہ ان کی شہرہ آفاق کتاب "بہار شریعت" اور ان کے فتاویٰ جات سے لگایا جا سکتا ہے۔ مصالح عباد کی رعایت میں آپ کا منہج ان دو کتب سے ہی واضح ہوتا ہے کیونکہ ان کے علاوہ کتب کسی خاص موضوع یا خاص موقع سے مناسبت رکھتی ہیں۔ مذکورہ بالا علمی شاہکار کا مطالعہ کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ آپ نے فقہ حنفی کی مشہور و متداول کتب کو بطور ماخذ و مصادر استعمال کیا۔ان کتب میں الدرالمختار، رد المحتار، الجد الممتار، فتاویٰ عالمگیری، فتاویٰ خانیہ، فتاویٰ رضویہ ،فتاویٰ ہندیہ، البحر الرائق،الهدايه، الفتح القدير، بدائع الصنائع، المبسوط، كنز الدقائق، الجوهرة النيرة، المختصر للقدوری وغیرہ شامل ہیں۔ان مصادر وماخذ سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ فقہ حنفی کی ابتدا سے ہی فقہاء نے

---

[19] حضور صدر الشریعہ کی حیات وخدمات، مرتبہ: فیضان المصطفی قادری، ص54

Ḥaḍrat Ṣadr al-Sharīʿah Kī Ḥayāt o Khidmāt, Marṭbah: Faizān al-Muṣṭafā Qādrī, p54

احکام کے استنباط میں مصالح عباد کا خاص خیال رکھا ہے اور بعد کے علماء نے بھی اسی روش کو اختیار کیا ہے۔ مصالح عباد کی یہی رعایت مفتی امجد علی اعظمی کی کتب میں بھی ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ذیل میں ان کے منہج کو بیان کیا جارہا ہے۔

مذہب امام سے خروج

مفتی امجد علی اعظمی حنفی المسلک تھے اور فقہ حنفی کے لیے آپ کی گراں قدر خدمت "بہار شریعت" کی صورت میں موجود ہے۔ مسلکاً حنفی ہونے کے باوجود مفتی صاحب کی تحاریر و فتاویٰ کا مطالعہ یہ واضح کرتا ہے کہ مصالح عباد کے ضمن میں آپ نے مخصوص حالات میں فقہ حنفی سے عدول کو بھی اختیار کیا ہے چنانچہ "فتاویٰ امجدیہ" میں جمع بین الصلاتین کے ایک استفتا کے جواب میں فرماتے ہیں:

"ہمارے مذہب میں جمع بین الصلاتین جائز نہیں اگر ممکن ہو تو مذہب سے خروج نہ کیا جائے اور مدینہ طیبہ کے راستہ میں بعض دفعہ مجبور ہونا پڑتا ہے، اس مجبوری کے وقت مذہب غیر پر عمل کر لے، اور اگر کہیں اور ایسی ہی مجبوری لاحق ہو تو وہاں بھی اس پر عمل کر سکتے ہیں"[20]

مذکورہ بالا مسئلے کی تفصیل یہ ہے کہ احناف کے نزدیک دو نمازوں کو ایک وقت میں پڑھنا خواہ یہ جمع تقدیم کی صورت میں ہو یعنی کسی نماز کو اس کے وقت سے پہلے وقتیہ نماز کے ساتھ پڑھنا، یا جمع تاخیر کی صورت میں ہو یعنی کسی نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کر کے اگلے وقت میں وہ دونوں نمازیں ایک ساتھ پڑھنا، شرعاً جائز نہیں ہے۔ جمع بین الصلاتین کے بارے میں علامہ شامی لکھتے ہیں:

وَلَا جَمْعَ بَيْنَ فَرْضَيْنِ فِي وَقْتٍ بِعُذْرِ سَفَرٍ وَمَطَرٍ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ---إِلَّا لِحَاجٍّ بِعَرَفَةَ وَمُزْدَلِفَةَ [21]

" بغیر کسی عذر کے، سفر و بارش کی صورت میں دو فرض نمازوں کا ایک وقت میں اکھٹا کرنا جائز نہیں، امام شافعی کا قول اس کے برعکس ہے۔۔۔ مگر یہ کہ عرفہ اور مزدلفہ میں حاجیوں کے لیے یہ جائز ہے"

---

[20] امجد علی اعظمی، مفتی، فتاویٰ امجدیہ، (کراچی: دارالعلوم امجدیہ، 1419ھ) ج1، ص64

Amjad ʿAlī Aʿẓamī, Mufti, Fatāwā Amjadiyyah, (Karāchī, Dār al-ʿUlūm Amjadiyah,1419AH) 1:64

[21] ابن عابدين، محمد أمين بن عمر، رد المحتار على الدر المختار، (بيروت، دار الفكر، 1412ھ) ج1، ص382

Ibn ʿĀbidīn, Muḥammad Amīn ibn ʿUmar, Radd al-Muḥtār ʿalā al-Durr al-Mukhtār, (Bayrūt, Dār al-Fikr,1412AH) 1:382

مذکورہ عبارت کی روشنی میں میدان عرفات اور مزدلفہ کے علاوہ نمازوں کو جمع کرنا ممنوع ہے، لیکن انسانی معاشرے میں بعض صورتیں ایسی پیدا ہو جاتی ہیں جہاں نمازوں کو جمع نہ کیا جائے تو نماز کے فوت ہو جانے کا خدشہ ہے۔ ایسے حالات میں مفتی صاحب نے مصالح عباد کی خاطر مذہب امام سے عدول کی اجازت دی ہے۔

''فتاویٰ امجدیہ'' ہی میں فسخ نکاح کے سلسلے میں بھی ایک فتویٰ موجود ہے جس میں مفتی صاحب نے مخصوص حالت میں امام غیر کے مذہب پر عمل کی رخصت بیان کی ہے۔ مفتی صاحب سے سوال کیا گیا کہ شوہر کے مجنون ہونے کی صورت میں کیا عورت فسخ نکاح کا دعویٰ کر سکتی ہے؟ مفتی صاحب کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ:

'' مذہب حنفی میں جنون فسخ نکاح کا موجب نہیں، البتہ غیر حنفی اگر نکاح فسخ کر دے تو اس کا اعتبار کیا جائے گا''[22] مذکورہ مسئلے میں اعظمی صاحب نے پہلے مذہب مختار کو'' الدر المختار'' کے حوالے سے یوں بیان کیا ہے:

(وَلَا يَتَخَيَّرُ أَحَدُهُمَا) أَيْ الزَّوْجَيْنِ (بِعَيْبِ الْآخَرِ) فَاحِشًا كَجُنُونٍ وَجُذَامٍ وَبَرَصٍ[23]

''زوجین میں سے کوئی بھی دوسرے میں عیب پائے جانے پر فسخ نکاح کو اختیار نہیں کر سکتا مثلاً جنون، کوڑھ، برص کا مرض''

مذہب مختار کو بیان کرنے کے بعد اعظمی صاحب نے اس مخصوص حالت میں مکلف کو حرج و تنگی سے بچانے کے لیے مذہب غیر حنفی کی طرف رجوع کو بھی جائز قرار دیا ہے جو کہ آپ کے مصالح عباد کی حفاظت کا بین ثبوت ہے۔

مفتیٰ بہ قول سے عدول

مفتی صاحب نے مصالح عباد کے تحفظ کے لیے اپنی تحاریر میں بعض مقامات پر فقہ حنفی کے مفتیٰ بہ قول پر غیر مفتیٰ بہ یا غیر مشہور قول کو بھی ترجیح دی ہے۔ چنانچہ ''فتاویٰ امجدیہ'' میں مسجد کے بارے میں ایک استفتا کے جواب میں فرماتے ہیں:

---

[22] امجد علی اعظمی، مفتی، فتاوی امجدیہ، ج2، ص79

Amjad ʿAlī Aʻẓamī, Mufti, Fatāwā Amjadiyyah, 2:79

[23] ابن عابدين، محمد أمين بن عمر، رد المحتار على الدر المختار، ج3، ص501

Ibn ʿĀbidīn, Muḥammad Amīn ibn ʿUmar, Radd al-Muḥtār ʿalā al-Durr al-Mukhtār, 3:501

"حتی الوسع اس مسجد قدیم کی حفاظت میں پوری کوشش کریں اگر پشتہ وغیرہ بنوانے سے حفاظت ہو سکے تو یہی کریں کہ مذہب امام یوسف کے قول پر فتویٰ ہے اور یہی امام اعظم کا بھی قول ہے کہ مسجد کی مسجدیت باطل نہیں ہو سکتی، وہ قیامت تک کے لیے مسجد ہے اور جب اس قول پر عمل ناممکن ہو کہ دریا اس مسجد کو منہدم کر دیگا جس سے نقصان ہو گا تو امام محمد کے قول پر بہ مجبوری عمل کریں"[24]

مذکورہ مسئلے کی تفصیل یہ ہے کہ فقہ حنفی کا یہ مفتیٰ بہ قول ہے کہ مسجد کی مسجدیت کبھی باطل نہیں ہوتی یعنی اگر کسی جگہ کو مسجد قرار دے دیا جائے تو اب قیامت تک وہ جگہ مسجد ہی تصور کی جائے گی۔اب مرور زمانہ کے ساتھ کچھ حالات ایسے پیدا ہو جاتے ہیں (مثلاً اس جگہ کا پانی کی زد میں آجانا) کہ جن کی وجہ سے اس مفتیٰ بہ قول پر عمل کرنا دشوار ہو جاتا ہے، ایسے حالات میں اعظمی صاحب نے حرج و تنگی سے بچانے کے لیے مفتیٰ بہ قول کی بجائے امام محمد کے قول پر عمل کو جائز قرار دیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ مسجد کے اسباب کو دوسری نئی مسجد کی طرف منتقل کر دیں گے اور اس مسجد قدیم کی جگہ کا احترام بدستور باقی رکھیں گے۔

"فتاویٰ امجدیہ" ہی میں اسباب مسجد کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

"امام اعظم و امام ابو یوسف کا یہ مذہب ہے کہ جب لوگوں نے مسجدیں بنالیں تو اب وہ تاقیام قیامت مساجد ہو گئیں۔۔۔اب یہ زمانہ فساد کا زمانہ ہے کہ لوگ حلال و حرام میں امتیاز نہیں رکھتے۔۔۔پس اس صورت میں امام ابو یوسف سے جو دوسری روایت ہے اس پر عمل کر کے اس کا عمارتی سامان منتقل کر کے دوسری مسجد میں لگا دیا جائے"[25]

مذکورہ مسئلہ میں مفتی صاحب نے اختلافِ زمان کی بنیاد پر عباد کو فساد سے بچانے کی خاطر شیخین کی بجائے امام ابو یوسف کے ایک غیر معروف قول کو اختیار کیا ہے۔اختلافِ زمان کو بھی آپ نے خود ہی واضح کر دیا کہ پہلے زمانے میں لوگوں کا تقویٰ کا معیار بہت اعلیٰ تھا، شریعت کے معاملے میں وہ بہت محتاط رویہ اختیار کرتے تھے، چونکہ اب مرور زمانہ کے ساتھ لوگوں میں تقویٰ کا وہ معیار باقی نہیں رہا اور یہ خدشہ ہے کہ وہ مسجد کے سامان کو اپنے ذاتی تصرف میں

---

[24] امجد علی اعظمی، مفتی، فتاوی امجدیہ، ج3، ص8

Amjad ʿAlī A'ẓamī, Mufti, Fatāwā Amjadiyyah, 3:8

[25] ایضاً، ص149

Ibid, P :149

لے آئیں گے لہذا مذہب حنفی کے غیر معروف قول پر عمل کرتے ہوئے اس سامان کو دوسری مسجد میں صرف کیا جا سکتا ہے۔

عموم بلویٰ

اصطلاح فقہ میں عموم بلویٰ سے مراد وہ حالت یا کیفیت ہے جس کے سبب عوام وخواص کو مقاصد شریعہ کے تحفظ میں دشواری پیش آرہی ہو۔ مفتی صاحب نے استخراج مسائل میں عموم بلویٰ کو بھی مد نظر رکھا ہے۔ چنانچہ اعظمی صاحب سے ایک استفتا کیا گیا کہ ولایتی رنگ سے رنگے ہوئے کپڑے کا کیا حکم ہے کیونکہ اس وقت یہ بات مشہور تھی کہ جتنے بھی ولایتی رنگ ہیں ان میں شراب کا جزو ہوتا ہے۔ مفتی صاحب فرماتے ہیں:

"ولایتی رنگوں کے ناپاک ہونے کا کوئی ثبوت نہیں محض بعض لوگوں کا کہہ دینا کافی نہیں جب تک شرعی ثبوت نہ ہو۔ پھر اس رنگ میں ابتلائے عام ہے عورتیں عموماً اس رنگ سے رنگے ہوئے کپڑے پہنتی ہیں اور ان میں نمازیں پڑھتی ہیں۔۔۔ اگر اسکے ناپاک ہونے کا حکم دیا جائے تو نہ ان کی نماز ہو، نہ گھر کی چیزیں پاک رہیں، نہ کھانا اور پانی پاک رہے، سب ناپاک ہو جائیں۔۔۔ اگر اس رنگ کے ناپاک ہونے کا حکم دیا جائے تو بڑی مشکل ہو گی۔ ایسی دشواری کے موقعہ پر شرع مطہر نے عموم بلویٰ کا اعتبار کیا ہے، لہذا اس کے ناپاک ہونے کا حکم نہیں دیا جا سکتا" [26]

مذکورہ عبارت مفتی صاحب کی فقاہت کی عمدہ مثال ہے کہ آپ نے پہلے تو بغیر دلیل شرعی کسی چیز کے ناجائز نہ ہونے کا قاعدہ بیان کیا ہے کہ محض لوگوں کے کہہ دینے سے کوئی چیز جائز یا ناجائز نہیں ہو جاتی بلکہ اس کے لیے خاص دلیل شرعی مطلوب ہے، پھر ولایتی رنگ کو استعمال کرنے کے نتیجے میں پیدا ہونے والی خرابیوں کا احاطہ کیا ہے۔ مفاسد کو بیان کرنے کے بعد آپ نے مصالح کے تحفظ کے لیے عموم بلویٰ کی رعایت کرتے ہوئے ولایتی رنگ کے ناپاک نہ ہونے کا حکم بیان کیا ہے۔ طہارت کے باب میں ہی "بہار شریعت" میں ایک اور مثال موجود ہے جہاں مفتی صاحب نے حرج و تنگی کے پیش نظر رخصت کو اختیار کیا ہے، مفتی صاحب رقمطراز ہیں:

"پیشاب کی نہایت باریک چھینٹیں سوئی کی نوک برابر کی بدن یا کپڑے پر پڑ جائیں تو کپڑا اور بدن پاک رہے گا۔ جس کپڑے پر پیشاب کی ایسی باریک چھینٹیں پڑ گئیں، اگر وہ کپڑا پانی میں پڑ گیا تو پانی ناپاک نہ ہو گا" [27]

---

[26] امجد علی اعظمی، مفتی، فتاوی امجدیہ، ج1، ص38

Amjad ʿAlī A'ẓamī, Mufti, Fatāwā Amjadiyyah, 1:38

[27] امجد علی اعظمی، مفتی، بہار شریعت، (کراچی، مکتبۃ المدینہ، پرانی سبزی منڈی، 1433ھ) ج1، ص392

اس عبارت کی وضاحت یہ ہے کہ مفتی صاحب کے استاذ مولانا احمد رضا خان کا مذکورہ مسئلے میں یہ فتویٰ ہے کہ جس کپڑے پر وہ چھینٹیں پڑی ہوں اگر اسے پانی میں ڈالا جائے تو پانی ناپاک ہو جائے گا، عبارت ملاحظہ ہو:

"سوئی کی نوک کے برابر باریک باریک بندکیاں نجس پانی یا پیشاب کی، کپڑے یا بدن پر پڑ گئیں معاف رہیں گی اگرچہ جمع کرنے سے روپے بھر سے زائد جگہ میں ہو جائیں مگر پانی پہنچا اور نہ بہا، یا غیر جاری پانی میں وہ کپڑا اگر گیا تو پانی نجس ہو جائے گا اور اب اس کی نجاست سے کپڑا بھی ناپاک ٹھہرے گا"[28]

مذکورہ بالا حکم کے برعکس مفتی صاحب نے مشاہدہ کیا کہ اب اس آلودہ کپڑے کو پانی میں ڈالنے میں بھی ابتلائے عام ہے اور اگر اس پانی کے ناپاک ہونے کا حکم لگایا جائے تو اس میں حرج عظیم ہے۔ لہذا آپ نے عموم بلویٰ کے پیش نظر اس چھینٹوں والے کپڑے کے پانی میں ڈالنے کی صورت میں اس پانی کے پاک ہونے کا حکم بیان کیا ہے۔

معاملات کے باب میں عصر حاضر میں خرید و فروخت میں بعض ایسی شرائط لگائی جاتی ہیں جو ابتداً موجود نہ تھیں، دور حاضر میں جب لوگوں کا ان میں ابتلاء عام ہوا تو یہ سوال پیدا ہوا کہ ان شرائط کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ مفتی صاحب نے عموم بلویٰ کی وجہ سے ان شرائط کو جائز قرار دیا ہے چنانچہ "بہار شریعت" میں بیع میں شرط کے بیان میں لکھتے ہیں:

" اگر وہ شرط شرعاً جائز ہو اور عوام الناس اس میں مبتلا ہوں تو ایسی شرط فی زمانہ جائز ہے "[29]

مذکورہ عبارت میں مفتی صاحب نے بیع میں ایسی تمام شرائط کو جائز قرار دیا ہے جو شرع سے متصادم نہیں اور اس میں ابتلاء عام ہے۔

ضرورۃ

یہ اضطرار کا اسم ہے اور ضرر سے مشتق ہے، اس سے مراد وہ ضرر و مجبوری ہے جس کی وجہ سے مقاصد

Amjad ʿAlī A'ẓamī, Mufti, Bahār-e-Sharīʿat, (Karāchī, Maktabat al-Madīnah, Purānī Sabzī Mandī,1433AH) 1:392

[28] احمد رضا خان، فتاویٰ رضویہ، (لاہور: رضا فاؤنڈیشن، ۲۰۰۶) جلد اول، حصہ دوم، ص763

Aḥmad Raza Khān, Fatāwā Raḍawiyyah, (Lahore, Raza Foundation, 2006) Book 1,Part 2, p763

[29] امجد علی اعظمی، مفتی، بہار شریعت، ج2، ص701

Amjad ʿAlī A'ẓamī, Mufti, Bahār-e-Sharīʿat, 2:701

شریعت میں سے کسی مقصد کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو۔ مفتی صاحب نے مصالح عباد کے ضمن میں شریعت اسلامی کی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے انسانی ضرورتوں کا بھی لحاظ رکھا ہے چنانچہ جمع بین الصلاتین کے ایک سوال کے جواب میں آپ نے جو فرمایا، اس کا لب لباب یہ ہے کہ :

" مدینہ منورہ کے سفر کے دوران قافلہ والوں کی مجبوری کے سبب ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کو مخصوص شرائط کے ساتھ پڑھنا جائز ہے "[30]

مذکورہ عبارت میں اعظمی صاحب نے فقہ حنفی کے مذہب مختار (جمع بین الصلاتین جائز نہیں) سے عدول کرتے ہوئے، ضرورت و مجبوری کے تحت نمازوں کو جمع کرنا جائز قرار دیا ہے۔

اسی طرح معاملات کے ضمن میں مفتی امجد علی اعظمی سے ایک استفتا کیا گیا کہ کیا کسی جائز کام کے لیے بامر مجبوری کسی کو کچھ دینا جائز ہے یا نہیں جب کہ یہ معلوم بھی ہو کہ نہ دینے کی صورت میں مذکورہ شخص معاملات کو مزید بگاڑ دے گا، مفتی صاحب جواب میں فرماتے ہیں :

"اگر معلوم ہے کہ چپراسی کو بطور انعام کچھ نہ دیا جائیگا تو رپورٹ خراب کر دیگا اور ر مطالبہ کے حصول میں مزید دشواریاں پیدا ہو جائیں گی تو یہ مجبوری کی صورت ہے۔۔۔ دینا گناہ نہیں اگرچہ لینا گناہ و ناجائز ہے"[31]

مذکورہ بالا مسئلے میں ایک ایسی صورت بیان کی گئی ہے جس میں ابتلاء عام ہے ۔روزمرہ کے معاملات میں لوگوں کو اپنے جائز مطالبات کے حصول میں بھی دشواری پیش آتی ہے۔ ایسے حالات میں مفتی صاحب نے نہ صرف یہ کہ سائل کو اجازت دی بلکہ مزید یہ بھی اضافہ کر دیا کہ اگر کسی دوسرے شخص کو، کسی دوسری جگہ ایسا کرنا پڑے تو یہ اس کے لیے جائز امر ہوگا اگرچہ لینے والا گنہگار ٹھہرے گا۔ فقہ حنفی میں تولیت کے باب میں یہ مسئلہ معروف ہے کہ مسجد کا متولی مقرر کرنا قاضی کی ذمہ داری ہے پر مفتی صاحب نے مقامی ضرورت کے پیش نظر اہل محلہ کے متولی مقرر کرنے کو جائز قرار دیا ہے، چنانچہ بہار شریعت میں اس ضمن میں اصح قول بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

---

[30] امجد علی اعظمی، مفتی، بہار شریعت، ج1، ص1063

Amjad ʿAlī A'ẓamī, Mufti, Bahār-e-Sharīʿat, 1:1063

[31] امجد علی اعظمی، مفتی، فتاوی امجدیہ، ج4، ص266

Amjad ʿAlī A'ẓamī, Mufti, Fatāwā Amjadiyyah, 4:266

" یہاں (ہندوستان) کی ضرورتوں کا خیال کرتے ہوئے دوسرے قول پر جس کو غیر اصح کہا جاتا ہے فتویٰ دیناچاہیے یعنی اہل محلہ کا متولی مقرر کرنا جائز ہے "[32]

مذکورہ مسئلہ میں اعظمی صاحب نے ہندوستان کے حالات کو مدنظر رکھا ہے چونکہ ہندوستان دارالسلام نہیں لہذا یہاں پر کوئی قاضی بھی موجود نہیں جو فقہی معاملات میں لوگوں کے درمیان فیصلہ کرسکے یا کسی شرعی معاملے میں کسی فرد کا تقرر کرے ۔اب اگر مذکورہ مسئلہ میں خود سے متولی مقرر نہ کیا جائے تو فساد زمانہ کی وجہ سے اوقاف میں نقص آنے کا قوی خدشہ ہے، لہذا آپ نے مجبوری وضرورت کے تحت ایک غیر اصح قول کو مفتیٰ بہ قول پر ترجیح دی اور مقامی لوگوں کے خود سے متولی مقرر کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔

یُسر

یسر کے لفظی معنی نرمی وآسانی کے ہیں،اس سے مراد یہ ہے کہ شریعت اسلامی نے ان تمام احکامات میں یسر ونرمی کو اختیار کرنے کی رخصت دی ہے جو انسانی برداشت سے باہر ہوں۔ مفتی صاحب نے بھی استنباط مسائل میں اس اصول کو مدنظر رکھا ہے چنانچہ فتاویٰ امجدیہ میں ایک جگہ فسخ نکاح کے سلسلے میں بندوں کے مصالح اور یسر کی خاطر استفتا کے جواب کے بعد فرماتے ہیں:

" یہاں چونکہ قاضی نہیں، لہذا اس شہر میں جو سب سے بڑا سنی عالم فقیہ ہو اس کے پاس دعویٰ کرے اور شہادت پیش کرے کہ بالغ ہوتے ہی فوراً میں نے اپنے نفس کو اختیار کیا، وہ عالم فسخ کردے گا"[33]

مذکورہ بالا مسئلے کی تفہیم یہ ہے کہ فسخ نکاح اور اس جیسے دوسرے معاملات کا فیصلہ کرنے کا مجاز قاضی ہوتا ہے، چونکہ اس وقت ہندوستان میں نہ اسلامی حکومت تھی اور نہ ہی کوئی قاضی اسلام، اس لیے مفتی صاحب نے یسر کو اختیار کرتے ہوئے وہاں کے جید عالم کو یہ معاملات طے کرنے کا اختیار دیا ہے۔

فقہ المناکحات کے باب میں بھی مفتی صاحب کا فتویٰ موجود ہے جس میں آپ نے مصلحت کے پیش نظر یسر

---

[32] امجد علی اعظمی، مفتی، بہار شریعت، ج2، ص581

Amjad ʿAlī A'ẓamī, Mufti, Bahār-e-Sharī'at, 2:581

[33] امجد علی اعظمی، مفتی، فتاوی امجدیہ، ج2، ص114

Amjad ʿAlī A'ẓamī, Mufti, Fatāwā Amjadiyyah, 2:114

ونرمی کو اختیار کیا ہے،اس کی تفصیل یہ ہے کہ مفتی صاحب سے استفتا کیا گیا کہ مفقود الخبر شوہر کے فوت ہونے کی اطلاع ملنے پر اس کی بیوہ کا نکاح کر دیا گیا تو کیا یہ شرعاً جائز ہے؟مفتی صاحب شرعی حکم بیان کرنے کے بعد مزید یہ اضافہ کرتے ہیں:

''اقول'' جب کہ خبر دینے والے نے یہ خبر دی ہے کہ اس شخص کو مرے ہوئے اتنا زمانہ گزر چکا ہے کہ عدت وفات پوری ہو چکی تو اب معتبر خبر ملنے کے بعد جس سے ظن غالب ہو جاتا ہو، نکاح کر لینا جائز ہے کہ عدت پوری ہو چکی اور خبر پانے کے بعد عدت گزارنے کی ضرورت نہیں''[34]

مذکورہ مسئلے میں فقہ حنفی کا مذہب مختار یہ ہے کہ

أَخْبَرَهَا ثِقَةٌ أَنَّ زَوْجَهَا الْغَائِبَ مَاتَ، أَوْ طَلَّقَهَا ثَلَاثًا، أَوْ أَتَاهَا مِنْهُ كِتَابٌ عَلَى يَدِ ثِقَةٍ بِالطَّلَاقِ. إنْ أَكْبَرُ رَأْيِهَا أَنَّهُ حَقٌّ فَلَا بَأْسَ أَنْ تَعْتَدَّ وَتَتَزَوَّجَ [35]

''عورت کو کسی ثقہ نے خبر دی کہ اس کا مفقود شوہر فوت ہو چکا ہے یا اس کے شوہر نے اسے تین طلاقیں دے دی ہیں یا زوجہ کے پاس کسی ثقہ کی وساطت سے تحریری طلاق پہنچی،اگر اس کا قوی گمان ہے کہ یہ سچ ہے تو اس کے لیے کوئی حرج نہیں کہ وہ عدت گزارے اور کسی اور سے شادی کر لے''

یہ عبارت اس بات پر دال ہے کہ خبر ملنے کے بعد عدت گزاری جائے گی پھر مفقود الخبر کی بیوی کو یہ اختیار حاصل ہو گا کہ وہ کسی اور سے نکاح کر سکے لیکن اعظمی صاحب نے شریعت اسلامی کی ممتاز خصوصیت ''یسر'' کو اختیار کرتے ہوئے ''اقول'' کے ساتھ یہ وضاحت بھی کر دی چونکہ اتنا زمانہ گزر چکا ہے جس میں عدت کو شمار کیا جا سکتا ہے لہذا اب دوبارہ سے عدت گزارنے کی ضرورت نہیں۔

دفع مضرت

مصلحت کا جو متداول مفہوم بیان کیا جاتا ہے اس میں جلب منفعت اور دفعت مضرت دونوں شامل ہیں۔

---

[34] امجد علی اعظمی، مفتی، فتاوی امجدیہ، ج2، ص90

Amjad ʿAlī Aʿẓamī, Mufti, Fatāwā Amjadiyyah, 2:90

[35] ابن عابدين، محمد أمين بن عمر، رد المحتار على الدر المختار، ج3، ص529

Ibn ʿĀbidīn, Muḥammad Amīn ibn ʿUmar, Radd al-Muḥtār ʿalā al-Durr al-Mukhtār, 3:529

جلب منفعت سے مراد یہ کہ متذکرہ بالا تمام مناہج کو استعمال کر کے مقاصد شریعہ کی حفاظت کی جائے، جبکہ دفع مضرت کا مفہوم یہ ہے کہ ان تمام امور کو عباد سے دور کیا جائے جن سے ان مقاصد پنجگانہ کو نقصان پہنچنے کا خدشہ ہو، اس میں وہ تمام امور بھی شامل ہیں جو فی نفسہ تو جائز ہیں مگر ان کے ممکنہ فساد کی وجہ سے فقہاء نے ان سے احتراز کو اختیار کیا ہے۔ مفتی صاحب نے بھی دفع مضرت کے اصول کو مد نظر رکھا ہے اور مصلح عباد کے تحفظ کو یقینی بنایا ہے، چنانچہ بہار شریعت میں اجارہ کے بیان میں مسلمان بچے کے لیے کافرہ دایہ کے تقرر کو جائز بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"دودھ پلانے کے لیے جو عورت اختیار کی جائے اس کے صلاح و تقویٰ کا لحاظ کیا جائے تاکہ بچہ میں بد عورت کے برے اثرات نہ پیدا ہوں۔۔۔ (تقرر کے وقت اس عمل کے اثرات)ان کو نظر انداز کرنا مصالح کے خلاف ہے اگرچہ اجارہ صحیح ہو جائے گا"[36]

مصالحِ عباد کے سلسلے میں اعظمی صاحب کا یہ تبصرہ صد قابل تحسین ہے کہ آپ نے صرف مسئلہ کو ہی بیان نہیں کیا بلکہ مصالح کے تحفظ کے لیے اس پر تبصرہ بھی کیا کہ شرعی حکم تو یہی ہے کہ اجارہ جائز ہے پر اس اجارے کی وجہ سے بہت سے مفاسد کا راستہ کھل سکتا ہے لہذا جواز کے باوجود اس سے اجتناب بہتر ہے۔

بہار شریعت میں ہی ایک دوسری جگہ مفتی صاحب نے دو مفتٰی بہ اقوال میں سے دوسرے قول کو اختیار کرنا قرین مصلحت بتایا ہے کیونکہ اس سے ضرر دور ہوتا ہے چنانچہ شفعہ کے باب میں طلب تملیک میں تاخیر پر دو قول بیان کرتے ہیں، ظاہر الروایہ کے مطابق تاخیر سے شفعہ باطل نہیں ہوتا جبکہ امام محمد کے قول کے مطابق بلا عذر ایک ماہ کی تاخیر سے باطل ہو جائے گا، اب مفتی صاحب دوسرے قول کی طرف اپنے جھکاؤ کو جن الفاظ میں بیان کرتے ہیں، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ

" فی زمانہ دوسرے قول کو اختیار کرنا زیادہ مناسب ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ خریدنے والا حق شفع کے خوف کے سبب اس میں کوئی تبدیلی نہ کر سکے گا اور اس میں مشتری کا نقصان ہے"[37]

---

[36] امجد علی اعظمی، مفتی، بہار شریعت، ج3، ص140

Amjad ʿAlī A'ẓamī, Mufti, Bahār-e-Sharī'at, 3:140

[37] ایضاً، ص244

Ibid, P:244

مذکورہ عبارت سے مصالح عباد کے حوالے سے اعظمی صاحب کی گہری بصیرت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے ۔ آپ حالات زمانہ اور ممکنہ ضرر کے پیش نظر لکھتے ہیں کہ اگر شفعہ کیلئے معیاد مقرر نہ کی جائے تو خریدار کو ہر وقت یہ خدشہ رہے گا کہ کوئی شخص کسی وقت بھی طلب تملیک کا دعوی کر سکتا ہے اور اس خوف کی وجہ سے مشتری اپنے مقاصد کو پورا کرنے سے گریزاں رہے گا،ان اسباب کے سبب آپ نے مصالح کو مد نظر رکھتے ہوئے بلا عذر تاخیر کی وجہ سے طلب تملیک کے حق کے باطل ہونے کے قول کو اختیار کیا ہے۔ بہار شریعت میں بیع کے مسائل بیان کرتے ہوئے مفتی صاحب در مختار کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ بائع کو دستاویز لکھنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ پھر فی زمانہ لوگوں کے حالات بدل جانے کے سبب مشتری کو ممکنہ ضرر سے بچانے کے لیے آپ نے جو بات تجویز کی اس کا خلاصہ یہ ہے کہ :

" دستاویز نہ لکھنے کا عمل اس وقت تک قابل قبول تھا جب لوگوں کا شریعت پر پوری طرح عمل تھا، فی زمانہ تقویٰ کا وہ معیار باقی نہیں رہالہذا انزاع سے بچنے کے لیے بائع کو دستاویز لکھنے پر مجبور کیا جائے گا"[38]

مذکورہ بالا امثلہ سے مفتی صاحب کا یہ اسلوب واضح ہوتا ہے کہ عباد کو ضرر سے بچانے کے لیے آپ نے ایسے اقوال کو ترجیح دی ہے جن سے فی زمانہ مصالح کا تحفظ یقینی بنایا جا سکتا ہے اگرچہ اصل مسئلہ پر عمل کرنا بھی جائز ہے۔

خلاصہ کلام

دنیامیں قانون کے بارے میں مختلف نظریات پائے جاتے ہیں اور ہر نظریہ اپنے خاص مقاصد کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ فقہ اسلامی یا شریعت اسلامی اپنے مقاصد کے اعتبار سے سراسر مصلحت پر مبنی ہے۔شریعت اسلامی حرکیت، اعتدال و توازن، یسر و نرمی اور ثبات و تغیر کا وہ خوبصورت مجموعہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے وجود میں آیا اور رہتی دنیا تک کے لوگوں کے لیے قابل عمل و قابل تقلید ہے۔ فقہ اسلامی پر ایک بڑا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ یہ جمود کا شکار ہے اور اس میں بدلتے حالات کی رعایت کا لحاظ نہیں کیا جاتا حالانکہ معاملہ اس کے بر عکس ہے۔دوسری و تیسری صدی ہجری سے فقہ اسلامی کی تدوین سے لے کر موجودہ صدی تک ہر دور میں فقہاء نے اس دور کے تقاضوں کو مد نظر رکھا اور بندوں کو حرج، تنگی و مضرت سے بچانے کے لیے مصالح عباد کی رعایت کرتے ہوئے احکام کا استنباط کیا۔

---

[38] امجد علی اعظمی، مفتی، بہار شریعت، ج2، ص812

Amjad ʿAlī Aʿẓamī, Mufti, Bahār-e-Sharīʿat, 2:812

برصغیر میں بھی علمائے فقہ نے اسی روش کو اختیار کیا جس کی ایک بین مثال مصالح عباد کے ضمن میں مفتی امجد علی اعظمی صاحب کا منہج واسلوب ہے۔آپ کی تصانیف وفتاویٰ میں فقہ حنفی کی بنیادی کتب کو ماخذ بنایا گیا ہے جو یہ ثابت کرتا ہے کہ صرف برصغیر میں ہی نہیں بلکہ فقہ حنفی کی ابتدا سے ہی مصالح کا لحاظ رکھا گیا ہے۔مفتی صاحب کی تصانیف سے یہ آشکار ہوتا ہے کہ آپ نے مصالح عباد کی رعایت کے لیے نہ صرف یہ کہ حرج، تنگی و مضرت کے اصول کو مد نظر رکھا بلکہ اسکے ساتھ ساتھ وہاں رائج مخصوص عرف کی بھی رعایت کی۔آپ نے بعض خاص حالات میں نہ صرف یہ کہ مفتیٰ بہ قول سے عدول کو اختیار کیا بلکہ بعض مواقع پر مذہب حنفی سے خروج کی بھی اجازت دی ہے۔لہذا آپ کے اس منہج و اسلوب کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ فقہ حنفی جمود یا تعطل کا شکار نہیں بلکہ حرکیت کی قائل ہے۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License